ہندوستان سے شائع ہونے والے ناولوں میں سیاسی مباحث
(قیامِ پاکستان کے بعد)

محمد ثقلین
سید علی اصغر شاہ

Abstract:

Politics and literature are intrinsically intertwined. A literary work that fails to depict political dynamics and societal changes cannot deeply resonate with the masses. Social transformations have historically influenced contemporary writers. Politics, too, is a crucial component of the modern novel, alongside the other characteristics. The contemporary writer is often deeply enmeshed in the political sphere, acutely aware of its intricacies. Writers from this milieu have consciously portrayed social and political occurrences. Urdu novel written after the independence of the Indian Subcontinent vividly illustrate the impact of political events on various segments of society.

سیاست اور ادب کو ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ جس ادب میں اپنے گرد و پیش کا منظر نامہ، سماجی تغیرات، سیاسی عوامل اور سیاسی تصورات کا ذکر نہ ہو گا۔ اس کی جڑیں عوام میں مضبوط نہیں ہونگی۔ جو ادب سماج کے سیاسی شعور سے ماورا ہو کر فرد سے ہمکلام ہو گا سماج کبھی اسے قبول نہیں کرتا ادب کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے ایسا ادب ہی اپنا آپ منوا سکا جس نے اپنے عہد کے سیاسی تصورات کی بھرپور عکاسی کی اور فرسودہ روایات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ معاشرے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات، حادثات نے ہمیشہ ہم عصری تخلیقی رویوں کو متاثر کیا یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ادب جس زمانے سے متعلق ہو اس سے ہم آہنگ نہ ہو۔ اچھا ادب ہمیشہ کسی سیاسی المیے کی کوکھ سے جنم لیتا ہے تقسیم ہند کے نتیجے میں لکھا جانے والا ادب اس کی بہترین مثال ہے۔

بیسویں صدی کا ادیب انسانی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں نظر آرہا ہے اس ہنگامہ خیز صدی کا ادیب جوہری بم کی کارستانیاں دیکھ چکا ہے، دو عالمی جنگوں کی تباہیوں کا مشاہدہ بھی کر چکا ہے۔ نسل کشی، خون ریزی، وحشت اور بربریت کی داستانیں رقم ہوتیں اس نے دیکھی ہیں اس لیے اس صدی کا ادیب سیاسی دُنیا کا

باشندہ ہے اقتدار اور طاقت کی جنگ نے اس کی زندگی میں ہلچل پیدا کر رکھی ہے۔ اُس کے تمام انسانی رشتے، اس کے مضبوط جذباتی سہارے اور اخلاقی قدریں سب تہس نہس ہو چکی ہیں اس صدی کے فنکار کے سامنے سیاسی آگہی کا ڈھول پیٹنا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔ کامیو، سارتر، آریل، فاکنسر اور منٹو بیسویں صدی کے سیاسی شعور کی پیداوار ہیں۔

اپنے عہد کے سیاسی شعور پر قلم فرسائی کرتے ہوئے ادیب کو اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے کہ انسانی اقدار کا تحفظ اس کا اوّلین فرض ہے تاکہ وہ کسی سیاسی جماعت کا کارکن نہ بن جائے۔ اندھی سیاسی وابستگی فنکار سے اس کی سچائی اور خلوص چھین لیتی ہے۔ ادب اور سیاست کے حوالے سے مجموعی طور پر دو مختلف رویے موجود ہیں ایک وہ طبقہ ہے جن کا خیال ہے کہ ادیب کو عملی سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کش رہنا چاہیے لیکن اگر تھوڑا تفکر کیا جائے تو اس بات کو سمجھنا ذرا بھی مشکل نہیں ہے کہ ادیب معاشرے سے کٹ کر ادب تخلیق نہیں کر سکتا۔ ادیب ان واقعات سے متاثر ہوتا ہے جو اس کے ارد گرد وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ادیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ عالمی منظر نامے سے پوری طرح واقف ہو۔ ادیب کو کسی سیاسی جماعت دستِ راس نہیں بننا چاہیے۔ اسی صورت میں بڑا ادب تخلیق ہو سکتا ہے۔

ادیب کو متوازن رویہ اختیار کرنا چاہیے تاریخ گواہ ہے کہ والٹیئر، حالی، روسو، شاہ ولی اللہ اور میلان کنڈیرا اِسی اصول پر کاربند رہے۔ ادب اور سیاست کے باہمی تعلق کے حوالے سے ''میلان کنڈیرا: فن اور شخصیت'' میں خالد جاوید لکھتے ہیں:

> ''سیاسی اور اجتماعی زندگی سے انفرادی زندگی کے تعلق کی نسبت سے میلان کنڈیرا نے ایک بہت پتے کی بات کہی ہے وہ کہتا ہے کہ جو کچھ سیاست کی بالاتر دُنیا میں ہوتا ہے وہی نجی زندگی میں بھی ہوتا ہے۔ سیاسی اور اجتماعی حماقتیں انفرادی حماقتوں سے جدا نہیں ہوتیں بلکہ تقریباً یکساں ہوتی ہیں۔ کنڈیرا اس سے متفق نہیں ہے کہ وہ سیاسی اور نجی دُنیاؤں الگ سمجھے کنڈیرا کا ناول The Joke اسی تھیم کی وضاحت کرتا ہے۔'' [1]

ادب ایک سماجی عمل ہے اور ادب کے وسیلے سے مختلف معاشروں نے اپنے مجموعی اندازِ فکر، مختلف رویوں، ثقافت اور اپنے شعور کا اظہار کیا ہے اچھا ادیب مظلوم کی حمایت میں صف آرا نظر آتا ہے کہ ظالم کے سامنے خاموشی کا مطلب ظلم کی حمایت قرار دی جاتی ہے۔ ادیب کو اپنی ذمہ داری سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیے۔ آج ہمارے ادیبوں اور شاعروں کو اپنی زمین اور اُس پر بسنے والے مظلوموں کی حمایت میں قلم کو گومگو اور ابہام

کی کیفیت سے باہر نکال کر ظالم کا اصل چہرہ سامنے لانا چاہیے۔ تیسری دُنیا کا ادیب کولونیل عہد کے خلاف لمبے عرصے تک برسرِپیکار رہا، اس نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اپنے لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش میں برسرِ پیکار رہے۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے لکھا ہے کہ:

> ”اس دور میں ایک تیسرا سماج بھی وجود میں آیا یہ تیسری دُنیا کی محکوم اور غیر ترقی یافتہ اقوام کا سماج تھا جو اپنی بقا کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ کشمیر اور افغانستان کا مسئلہ، آئرلینڈ کا مسئلہ، لاطینی امریکہ میں آزادی کی تحریکیں، عراق ایران جنگ اور خلیج کا مسئلہ، چلی اور صومالیہ کی صورتِ حال، افریقی ممالک میں نسل پرستی، عرب اسرائیل جنگ ٹکراؤ کی صورت ایک عرصے سے جاری ہے۔ تیسری دُنیا کا ادب اب مزاحمتی ادب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس میں انقلابی روح سمٹ آئی ہے۔“ ۲؎

ہنگری، رومانیہ، فلسطین، ہندوستان یہ ایسے ممالک ہیں جو بہت طویل عرصے تک زیر عقاب رہے۔ یہاں کے ادیبوں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے بہت دکھ جھیلے ہیں لوشون، پابلو نیرودا، ناظم حکمت، مارکیز، فیض جیسے ادیبوں نے شعوری آزادی کے لیے ادب تخلیق کیا ہے۔ ان کے یہاں سیاسی موضوعات کی کمی نہیں ہے۔ ہندوستانی ادیبوں کے یہاں تقسیم کے بعد اُردو فکشن میں عموماً ہندو مسلم فسادات، ہجرت کے آشوب، جاگیرداری نظام کے زوال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ سیاسی تصورات کو ناول کے بیانیے میں خاص جگہ دی گئی۔ سیاست اور سماج کے رشتہ کو واضح کیا گیا اسی وجہ سے ناول میں سیاسی مباحث نظر آتے ہیں۔ ہندوستانی اُردو ناول نگاروں میں حیات اللہ انصاری، رشیدہ رضویہ، عبد الصمد الیاس احمد گدی، قاضی عبد الستار، پیغام آفاقی نے سیاسی آئیڈیالوجی، سیاسی واقعات، محرکات اور عوامل کو بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔

حیات اللہ انصاری کا ناول ’لہو کے پھول‘ کا کینوس تحریکِ آزادی سے شروع ہو کر ہندوستان کی تقسیم تک پھیلا ہوا ہے اس کا موضوعاتی تنوع نہایت وسعت کا حامل ہے لیکن سیاسی موضوعات کو بڑی چابک دستی کے ساتھ ناول کے صفحات میں سمیٹا گیا ہے۔ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے تمام مسائل اور معاشرتی گتھیوں کی سلجھانے کی اپنے تئیں مصنف نے بھرپور کوشش کی ہے۔ ناول کے مطالعے سے معلومات ہوتا ہے کہ ناول نگار بھرپور سیاسی شعور رکھتا ہے اور ان تمام سیاسی عوامل پر مصنف نے بے لاگ تبصرہ کیا ہے جن کا ہندوستانی سماج سے گہرا ربط ہے۔

اس ناول میں سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیاں اپنے نقطہ عروج پر ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ اس کی کہانی تقسیم اور آزادی کے محور کے گرد گھومتی ہے مگر ناول نگار ناول کے فنی امکانات سے زیادہ سیاسی دستاویز پر زور دیتا ہے۔ ''لہو کے پھول'' میں سیاسی واقعات کا بیان بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ آزادی کے بعد لکھے گئے ناولوں میں ''لہو کے پھول'' نے سیاسی مضمرات کو بنیادی اہمیت دی ہے۔

اس ناول میں ہندو مسلم سیاست، تحریک عدم تعاون، تحریک خلافت، سائمن کمیشن، عدم تشدد کا فلسفہ، قومی بیداری کی تحریکیں اور سیاسی جدوجہد کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ملک کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کی سیاسی حکمت عملی اور دو قومی نظریے کے سیاسی ثمرات کو واضح کرنے کی کوشش ناول نگار کے یہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

ناول کے قصے کی ابتداء کسانوں کی سیدھی سادی زندگی اور مہاجنوں کے استحصالی رویے کے منظر نامے سے شروع ہوتی ہے۔ خشک سالی کے باعث پریشان کن حالات میں وہ وہاں سے ہجرت ضرور کرتے ہیں مگر دوسری جگہوں کی زمینیں بھی ان پر تنگ کر دی جاتی ہیں یوں وہ نامراد گھروں کو واپس آنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

تقسیم ہند اور اس سے جڑی ہوئی لوٹ مار، ظلم و تشدد اور قتلِ عام کی دستاویز کے طور پر 'لہو کے پھول' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا تذکرہ ناول کے صفحات میں ملاحظہ کریں:

> ''تقریباً دو سو آدمی تلواریں اور لاٹھیوں پر چڑھی ہوئی چھریاں لیے ان لوگوں کی طرف جھپٹ پڑتے جو چھپتے چھپاتے پاکستان کی سرحد کی طرف جا رہے تھے ان لوگوں کے شور سے دُنیا گونج اُٹھی، یااللہ ہائے اللہ کی دردناک آوازیں تھیں اور ان کے ساتھ مرنے والوں کی چیخیں۔'' [۳]

انگریز حکمرانوں کا نظام، ہندو مسلم سیاست کی نذر ہوتی غریب عوام، فرقہ واریت اور نسل پرستی سے پیدا شدہ مسائل اس عہد کے بڑے مسائل ہیں۔

عبد الصمد کے ناول ''دو گز زمین'' میں بہار کے ایک گاؤں کے پس منظر میں تقسیم سے پہلے اور بعد کے المناک واقعات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں قیام بنگلہ کے سیاسی تغیرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ناول نگار نے قیامِ پاکستان کے داخلی اور خارجی واقعات، مشرقی پاکستان کے لسانی اور ثقافتی خلفشار، مختلف الخیال لوگوں کا فکری اور سیاسی تصادم دکھایا ہے۔ شیخ الطاف حسین، اختر حسین، اصغر حسین، بدر الاسلام اس کے مرکزی کردار

ہیں۔ اختر حسین کی زمین داری کا نظام تقسیمِ ہند کے بعد درہم برہم ہو گیا ان کے کنبے کے افراد مغربی پاکستان ہجرت کر جاتے ہیں۔ ناول میں رشتے داروں کی طوطا چشمی، اعلیٰ اصولوں کا کھوکھلا پن، خود غرضی اور لا قانونیت جیسے مسائل کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شیخ الطاف حسین قصے کا مرکزی کردار ہیں وہ چھوٹے سے زمیندار تھے۔ خاندان کی وفاداریاں دو بڑی سیاسی پارٹیوں مسلم لیگ اور کانگرس میں تقسیم تھیں۔ بیٹا مسلم لیگی تو داماد کانگرسی اس طرح گھرانہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ یوں فسادات کا دور شروع ہو گیا۔ قتلام عام ہو گیا خونی سیاست کا دور دورہ تھا، فسادات پورے ہندوستان کا مقدر ٹھہرے۔ مادیت پسندی عام ہو گئی، خونی رشتوں میں دڑار آ گئی خود غرضی، شقاوت اور دنائیت کا بول بالا ہونے لگا۔

ناول کے اندر ہجرت کے اجتہادی فیصلے کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے کسی گروہ کو ہجرت کرنا درست فیصلہ لگتا ہے تو کوئی متذبذب ہے۔ کچھ طبقات پاکستان ہجرت کر گئے لیکن زیادہ تر جو مزدور طبقہ سے تھے وہیں پر توکل کر کے پڑے ہیں۔

> ”اب بھی وہاں کافی مسلمان بسے ہوئے ہیں اور ان کا ارادہ یہیں رہنے کا ہے اگرچہ وہ حفاظتی جتھے بنا کر رہ رہے تھے جو راتوں کو جاگ کر پہرہ دیتے تھے دراصل جانے والوں نے جاتے جاتے عدم تحفظ کا احساس اس طرح کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا کہ وہ چلتے پھرتے کھاتے پیتے، ہنستے کھیلتے ہوئے بھی زندہ نہیں لگتے تھے۔ گئے وہی تھے جن کی جیبوں میں نئے ملک کی نئی زندگی کے کھرے دام تھے وہ لوگ جو کھیتوں، ملوں میں کام کرتے بیڑیاں بناتے اور آج کما کھا کر کل کی فکر کل پر ہی چھوڑ دیتے۔“ [۴]

”دو گز زمین“ مشرقی پاکستان کی سیاسی صورتِ حال کا بیانیہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں فوج کا وحشیانہ قتلِ عام اور وہاں کی خواتین کے جنسی استحصال کے طرف ناول نگار نے اشارہ کیا ہے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں اجنبیت کی دیواریں کبھی بھی منہدم نہ ہو سکیں اپنوں کی نادانیوں اور دشمن کی چالاکیوں نے ایسا گھاؤ دیا جو بھرنے میں نہیں آ رہا۔ ناول نگار نے جہاں قیامِ بنگلہ دیش کی پس منظری اور پیش منظری سیاست سے پردہ اُٹھایا ہے۔

آبادکاری اور بربادی کے کھیل پورے ناول میں جاری رہتے ہیں حرص و ہوس کا کوہ کراں لڑھکتا جاتا ہے اور دیکھنے والے مخبوط الحواس ہو رہے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

"اختر حسین کے گھرانے کی بزرگ بی بی صاحبہ نے اپنے کنبے کو تین خطوں میں تقسیم ہوتے اور بار بار آباد اور برباد ہوتا دیکھا تھا۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ ان کا ایک بیٹا کراچی جا کر ہوس زر گری میں گرفتار ہو کر تمام رشتے اور ناطے توڑ بیٹھا تھا تو دوسرا نا آسودہ ہونے کی بنا پر پست زندگی بسر کر رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حامد راتوں رات فرار ہو کر ڈھاکہ جا بسا اور ۱۹۶۵ء میں جاسوسی کے الزام میں حویلی کی تلاشی لی گئی تھی۔ ان سب حادثات نے زمینداری کے تحکم اور طمطراق کی عادی بی بی صاحبہ کو توڑ کر رکھ دیا اور وہ مخبوط الحواسی ہو گئی۔" ۵

ظفر پیامی کا ناول 'فرار' ان مہاجرین کی مشکلات کا بیانیہ ہے جو دو تقسیموں کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں تقسیم ہند کے موقع پر بہار کے بہت سے مسلمان تلاشِ معاش کے سلسلے میں مشرقی پاکستان کا رُخ کرتے ہیں اور وہاں کے باشندوں کے ظلم کا شکار ہوتے ہیں۔ ہندوستانی سیاست میں انگریز کے عمل دخل نے دو قومی نظریے کو پروان چڑھایا کر برصغیر کے ہندو مسلم مشترکہ کلچر کو تار تار کیا اس کے نتیجے میں بہت بڑے پیمانے پر نقل مکانی ہوئی جو فسادات کا سبب بنی۔ مہاجرین مسلسل راہِ فرار اختیار کیے ہیں ہندوستان کی آزادی کے بعد مشرقی پاکستان گئے اور جب اُنھوں نے قیام بنگلہ دیش کے دوران راہِ فرار اختیار کی تو کوئی زمین بھی انہیں قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ مصنف اس حوالے سے ناول کے صفحات میں لکھتے ہیں:

"یہ ناول اس فرار ہونے والے کی کہانی ہے جو ایک ملک سے دوسرے ملک بھاگنا چاہتے ہیں، بھاگ رہے ہیں، پکڑے جاتے ہیں مگر پھر بھی فرار ہو رہے ہیں۔ فرقہ واریت آج بھی برصغیر کے تینوں ممالک میں موجود ہے اور انسان اب بھی اس کا شکار نظر آتا ہے۔" ٦

تاریخ کے جبر کا شکار ہونے والے بے خانماں افراد جو کئی بار معتوب قرار دیے گئے ہیں۔ ان کے حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

"یہ ان خانماں برباد اور بے یار و مددگار افراد کے ساتھ وحشیانہ مذاق ہے جنھوں نے پچیس سال کے عرصے میں دو بار فسادات اور قتل و غارت گری کا سامنا کیا اور تاریخ کے جبر کے اُس موڑ پر وہ پھر معتوب و قہور بن گئے جہاں ایک نیا ملک آزاد ہوا تھا اور استحصال و جبر پر مبنی جمہور دشمن نظام کے نمائندے محفوظ اپنے ٹھکانوں پر لوٹ چکے تھے۔" ۷

ناول کا مرکزی کردار افتخار حسین عرف تاری ان کرداروں کا نمائندہ ہے جو مشترکہ کلچر کی پیداوار ہیں تقسیم وطن کے دوران وہ ترکِ وطن اختیار کرنے کے حق میں نہ تھا مگر اس کے راستے میں مشکلات کھڑی کی

گئیں اور انہیں غیر قانونی طور پر کراچی جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ فرار کا یہ سلسلہ نہ رکنے والے ثابت ہوا وہ کھٹمنڈو پہنچ کر بھی وہ تذبذب کا شکار رہا کیونکہ وہاں بھی وہ غیر قانونی تھا۔

ناول کے کئی حصوں میں سیاسی حالات پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ ہندو مسلم تہذیب، دہلی کے اعلیٰ طبقے کی زندگی، جنگی قیدیوں، غیر ملکی سفیر، اعلیٰ فوج افسران، نامور صحافتی طبقہ اور تاجروں کی معاشرتی زندگیوں پر سیاسی حالات کے اثرات کو ناول میں پیش کیا گیا ہے۔ سحر ہاشمی ناول کا اہم کردار ہے جو اپنے باپ کا الٹ ہے۔ فراریت اس کا مسئلہ نہیں ہے وہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ کردار اس نسل کی نمائندہ ہے جو مشترکہ تہذیب سے پیار کرنے والی ہے۔

قاضی عبد الستار کے یہاں یوپی کے جاگیر داروں کے زوال کا عکس ناولوں کا موضوع قرار پاتا ہے ان کے زیادہ تر ناول تو تاریخی موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں جیسے صلاح الدین، دارالشکوہ وغیرہ مگر گھریلو سیاست سے وہ کماحقہ واقف تھے۔ ناول کائنات اور انسان کے باہمی تعلق پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔ آج کے عہد کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سیاست ہماری زندگیوں کی معنویت کا تعین کرنے لگ گئی ہے جبکہ سیاست نے الفاظ کے معانی تک بدل کر رکھ دیے ہیں۔

'شب گزیدہ' میں سیاست ایک نئے روپ میں نظر آتی ہے جسے ہم خاندانی سیاست کا نام دے سکتے ہیں جس کی بساط باپ اور بیٹے کے درمیان بجھی ہے ملک میں ہونے والی سیاست کا اثر گھر کے نوجوانوں پر بھی پڑتا ہے۔

اگر ہم ناول کی صنف کو بیسویں صدی کے تناظر میں دیکھیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اِس ہنگامہ خیز صدی میں انسان کے روحانی کرب، معاشرتی انتشار، حرص وہوس، جنسی کج روی، اقتصادی ترجیحات انسان دوستی، آدم خوری، نفس پروری، عالم گیریت، سیاسی شعور، سیاسی دستاویز نگاری، سیاسی تناظر جیسے موضوعات کو ناول نے سمیٹا ہے اگر ہم عالمی سطح پر نظر ڈورائیں تو ہم دیکھیں گے کہ فرانس کے علامت نگاروں سے لے کر حقیقت پسندوں تک سب کے یہاں کسی نہ کسی پیرائے میں سیاست کی دھندلی یا واضح تصویر نظر آتی ہے۔ فلائبیر، کامیو، سارتر، ٹالسٹائی اور گارشیامارکیز کے سیاسی عہد کے نشیب و فراز کا عکس ان کے تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ادب اپنے عہد کا ترجمان ہے۔

الیاس احمد گدی کا ناول 'فائر ایریا' سماجی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ امارت کے ہاتھوں غربت کا استحصال اور تذلیل کی حقیقت پسندانہ تصویر کشی ہے۔ اعلیٰ انسانی اقدار کا جنازہ دھوم سے نکلتے دیکھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے اسے 'خدا کی بستی' سے مماثل قرار دیا ہے۔ بہار کے علاقے میں کوئلے کی کانوں کا ایندھن بنتے ہوئے مزدور طبقے کی حالتِ زار کی نقش گری کی گئی ہے۔ 'فائر ایریا' کا ایک کردار کولیری کا تعارف کرواتا ہے۔

> "سچی بات تو یہ ہے، سہدیو کہ کولیری بہت بُری جگہ ہے یہاں بھلے اور ایماندار آدمی کا گزارہ نہیں ہے یہ چوروں، بے ایمانوں، سود خوروں اور دلدلوں کی دُنیا ہے یہ آدم خور شیروں کا گڑھ ہے، یہ خون چوسنے والی جونکوں کا علاقہ ہے یہاں ہر قدم سوچ کر رکھنا چاہیے۔" ۸

'فائر ایریا' دو متضاد طبقوں کا مہابیانیہ ہے، ایک تو مزدور طبقہ جو استحصال کی وجہ سے غیر انسانی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں وہ سارا دن خون تھوک کر بھی دو وقت کا کھانا نہیں کھا پاتے، دوسرے گروہ کولری کے مالک، ایجنٹ، علاقائی غنڈے ہیں۔ ایسی حقیقت نگاری کہ قاری کو آنکھ جھپکنے کی بھی اجازت نہ دی جائے یا تو شوکت صدیقی کی "خدا کی بستی" میں نظر آتی ہے یا الیاس احمد گدی کے ناول "فائر ایریا" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> "الیاس احمد گدی کی بے رحم حقیقت نگاری، مزدور یونین پر غنڈوں کے قبضے، بدعنوان سیاست دانوں، بیوروکریسی کے اثرات، بے بس لوگ، خوف زدہ شہری، بے خوف و ظالم پولیس قاتلوں اور قاتلوں کو کرائے پر حاصل کرنے والے خوفناک کردار، خراب، عدالتی نظام، منفی کرداروں کی بے ضمیری چاروں طرف موت کی گرم بازاری مکالمے اور بیانیے کے ذریعے منعکس ہوتی ہے۔" ۹

کولری بہت غیر محفوظ جگہ تصور کی جاتی ہے جہاں ہر لمحہ موت کا رقص جاری ہے۔ اندھی گپھاؤں کا ایندھن بننے والوں کے جلے لاشے تک نہیں اُٹھائے جاتے کہ اُس پر اخراجات اُٹھتے ہیں کبھی زہریلی گیس ملک الموت کا روپ اختیار کرتی ہیں تو کبھی رسہ ٹوٹنے سے مزدور لقمہ اجل بنتے ہیں۔

ناول کا عنوان بھی اپنے اندر معنویت کی کئی پرتیں رکھتا ہے اور کہانی کی ہر سمت کو قاری کے سامنے واضح کرتا جاتا ہے مزدروں، استحصال طبقے، ٹریڈ یونین کی قابل نفرت سرگرمیاں کیا کچھ ہے جو اس ناول کے صفحات کی زینت نہیں بنا۔ اس ناول کا لینڈ سکیپ بہت پر اسرار بھی ہے اور واضح بھی۔

”عجیب دُنیا تھی نہ درخت تھے نہ سبزہ تھا جو تھا وہ بھی سیاہ دھول سے اٹا پڑا تھا سیاہ مہین دھول جو ہر قدم کے ساتھ اُڑتی تھی آتی جاتی سڑکیں اس دھول کو دور دور تک پھیلا دیتی۔ تمام تاریک اُداس منظر بے گانگی اور سنگ دلی کا اظہار کرتا ملتا۔“ ۱۰؎

کرپٹ سرکاری افسران، انسانیت کش عدلیہ، معاشرے کے بدنما چہرے استحصالی طبقہ سب بے ضمیر سیاست کے ہاتھوں میں کھلونے ہیں۔ ناول نگار مزدوروں کی عظمت کا احساس دلاتے ہیں۔

رشیدہ رضویہ کے ناولوں میں ’لڑکی ایک دل کے ویرانے میں‘، ’گھر میرا راستے غم کے‘، ’اسی شمع کے آخری پروانے‘ شامل ہیں ان ناولوں کو صحیح معنوں میں سیاسی ناول قرار دیا جاسکتا ہے۔ انہیں سیاسی رجحانات کی عکاسی کے حوالے سے ان ناولوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اُردو کے پہلے کسی ناول نگار نے عالمی سیاسی منظر نامے کو اپنے یہاں جگہ دی ہے بالخصوص عراق کی اندرونی سیاست پر بات کی گئی ہے۔

بعض اوقات سیاست اس قدر سخت ہوتی ہے کہ تہذیب کی پوری عمارت کھنڈر میں بدل جاتی ہے سیاست خانہ جنگی کی طرف بھی لے جاتی ہے بڑے واقعات بھی جنم لے سکتے ہیں۔ ’لڑکی ایک دل کے ویرانے میں‘ کا کردار امیرہ آدرشی کردار ہے جو عراقی سیاست سے کماحقہ واقفیت رکھتی ہے عالمی سیاست کی بساط سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ، دو نظریاتی سلطنتوں کا قیام عمل میں آنا اس تمام صورتِ حال پر اس کی نگاہ ہے۔

رشیدہ رضویہ کے تینوں ناولوں کے موضوعات کے حوالے سے ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

”رشیدہ رضویہ تاریخ اور سیاست کے حوالے سے انسانی بے بسی کا تلخ نغمہ سناتی ہے اور ان دونوں کی ابوالعجبیوں کے خاتمے کے متمنی نظر آتے ہیں۔ ان کے ناول پڑھ کر احساس ابھرتا ہے کہ انسانی زندگی پر ان دو شعبوں کی بالادستی مایوسانہ کیفیت کو جنم دیتی ہے لیکن رشیدہ رضویہ کا رویہ قنوطی نہیں ہے۔ ان کے اہم کردار کارزارِ حیات میں اپنی جدوجہد کی مشعل بجھنے نہیں دیتی۔“ ۱۱؎

تقسیم ہند کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں جو منافرت اور مذہبی انتشار جنم لے رہا ہے اس کی ترجمانی اس عہد کے ناولوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آزادی کے بعد رونما ہونے والے واقعات سے تخلیق کار کا متاثر ہونا فطری نظر آتا ہے۔ فرقہ واریت کے عفریت کو ادیبوں نے عمیق نگاہوں سے دیکھا ہے۔ مجبوری، بھوک، افلاس جیسی اذیتوں کو معرض تحریر میں لانا ناول نگاروں کا مقصد قرار پاتا ہے۔ ہندوستان ابھی بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ سماجی عدم مساوات، فرقہ وارانہ تعصب، بے روزگاری، بھوک، کرپشن ہر شعبے میں نظر آتی ہے۔ سیاست کے گھناؤنے اور پوشیدہ چہرے کو بے نقاب کرنا ہی ناول نگار کا پہلا فرض ہے۔ ہمارے معاشرے میں سیاست کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔ ملک گیر سیاست، مختلف تنظیموں کے درمیان پائی جانے والی سیاست، قوموں اور فرقوں کی سیاست، انتظامیہ اور گاؤں کی سطح پر پائی جانے والی سیاست عرض اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ ادب چونکہ سماجی دستاویز ہے اس لیے سیاست سے کنارہ کشن نہیں ہو سکتا۔

ادب میں عصری سیاست کو خاص مقام حاصل ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں سیاست جھلکتی ہے ادب بھی اس سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ باقی ادبی اصناف کی نسبت ناول میں سیاسی مینوفسٹو کا بیان اور اس کی تعبیرات کی پیش کش زیادہ ہے۔

جدید عہد کا ناول بدلتے عالمی منظرنامے، ترقی یافتہ ملکوں کی اجارہ داری عالمی دہشت، جنگی جنون اور مذہبی انتہا پسندی جیسے واقعات کو اپنے باطن میں جگہ دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی سیاست دانوں اور ان کے گماشتوں کی مکارانہ چالبازیاں، مافیاز کا تسلط اور معاشرتی و معاشی بدعنوانیوں کو ناول نگار آشکارا کر رہا ہے۔ اُردو ناول ہر زمانے عصری مسائل اور سیاسی موضوعات پر کھل کر بات کرتا ہے۔

سائشتہ فاخری کا ناول ''نادیدہ بہاروں کا نشان'' تانیثی ادب کی عمدہ مثال ہے جو جبر و استحصال کے خلاف پوری طاقت سے نبرد آزما ہے۔ اُردو ناول نے عصری مسائل اور نائن الیون کے نتیجے میں پیدا ہونے والے واقعات کو پیش کیا ہے۔

نائن الیون نے ساری دُنیا کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ اسی طرح ادب کو بھی نئے موضوعات ملے ہیں۔ میڈیا، اشتہار بازی، بنیاد پرستی، شدت پسندی، دہشت گرد معاشرہ، عالمی طاقتوں کا گٹھ جوڑ، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری ایسے بے شمار نئے موضوعات اُردو ناول کی زینت بنے ہیں۔ شفق کا ناول ''بادل'' ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ

اور اس سے پیدا شدہ صورتِ حال کو پیش کرتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں پر اس کے اثرات کو بڑی باریک بینی سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صلاح الدین پرویز کا ناول ''وار دی جرنلس'' افغانستان اور عراق میں جنم لینے والی انسانی المیے کی رو داد بیان کرتا ہے۔ جنگ کی ہولناکی نے کئی زندگیوں کو نامساعد بنایا ہے۔ کئی بچوں کا مستقبل مخدوش بنادیا ہے۔

احمد صغیر کا ناول ''دروازہ ابھی بند ہے'' میں فرقہ وارانہ فسادات، تشدد کی سیاست اور ہندو مسلم دشمنی جیسے بنیادی مسئلہ پر فنکارانہ بحث کی گئی ہے۔ گجرات میں ہونے والے فسادات کس طرح مسلمانوں میں نفرت کی بیج بو رہے ہیں اس ناول کا موضوع بنایا گیا ہے۔

شموئل احمد نے اپنے ناول ''مہاماری'' میں ذات پات کی تقسیم، مذہب کے نام پر ہونے والی سیاست اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات سے پردہ اُٹھایا ہے۔ عورتوں کی عصمت دری، دردناک قتل، سماجی اور سیاسی طور زوال پذیر معاشرے کا احوال بیان کیا گیا ہے۔

محمد علیم کا ناول ''میرے ناولوں کی گمشدہ آواز'' تاریخ کے جبر اور استحصال کا شکار ہونے والوں کی سچی تصویر ہے۔ مسلمان اپنے ہی ملک میں، اپنوں کی نفرت کا شکار ہیں ہر دہشت گردی کے واقعے پر مسلمان نفسیاتی خوف کا شکار نظر آتا ہے۔

سید محمد اشرف کا ناول ''نمبردار کا نیلا'' اپنے اندر معنویت کئی سطحیں رکھتا ہے۔ دیہی سیاست پر مبنی ایک عمدہ تصور ہے۔ سامراجی جبر کا استعارہ ہے۔ ناول میں برسر اقتدار طبقے اور مذہبی گروہ کی سیاسی چالبازیوں کو بڑی جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تشدد کی وسیع صورتِ حال کا احاطہ کرتا ہے۔

انسانی قدروں کا انہدام ''آخری سواریاں'' کا موضوع ہے۔ انسانی تہذیب کی داخلی اور خارجی نفسیات کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول نگار نے انسانی احساس کی گم ہوتی دُنیا دکھائی ہے۔

مشرف عالم ذوقی نے ہم عصری تخلیقی رویوں کو متاثر کیا ہے۔ اس نے اپنے ناولوں میں نئے موضوعات کو جگہ دی ہے۔ اقلیتوں کے مسائل، مذہبی منافرت، تہذیبی زوال، صارفی سماجی رویے، سیاسی عدم تحفظ، ثقافتی یلغار جیسے موضوعات پر مشرف عالم ذوقی نے قلم اٹھایا ہے۔ مشرف عالم ذوقی کا ناول ''بیان'' فرقہ واریت کے انجام کو منظر عام پر لانی کی کوشش ہے۔

چند مفاد پرست سیاسی رہنما مذہب کے نام پر منافرت کا بیج بو کر نفرت کی سیاست کر رہے ہیں۔ مشترکہ تہذیبی روایات کو پامال کیا جا رہا ہے۔ ''پوکے مان کی دُنیا'' میں مشرف عالم ذوقی نے چند کرداروں کی مدد سے ہندوستان کی سیاست کا اصل چہرہ پیش کیا ہے۔ سونالی کے ریپ کیس کو کس طرح سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ ووٹ بنک بڑھانے اور سیاسی مقاصد کے لیے اخلاقیات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ فسادات برپا کر کے اقتدار کو طول دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

''مرگ انبوہ'' آئینی ترامیم کے نام پر شہریوں کے جائز حقوق کی پائمالی کی داستان ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ خالد جاوید، میلان کنڈیرا: فن اور شخصیت، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۱ء)، ص:۲۳

۲۔ اے۔بی۔ اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص:۳۱

۳۔ حیات اللہ انصاری، لہو کے پھول، (لکھنؤ: کتاب داں، ۱۹۶۹ء)، ص:۲۳۶۱

۴۔ عبدالصمد، دو گز زمین، (لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص:۴۸

۵۔ ایضاً، ص:۶۹

۶۔ ظفر پیامی، فرار، (نئی دہلی: ناولستان، ۱۹۸۶ء)، ص:۲۱۲

۷۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اُردو ناول، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء)، ص:۱۷۱

۸۔ الیاس احمد گدی، فائر ایریا، (نئی دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص:۵۱

۹۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول، (کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۱۶ء)، ص:۱۶۶

۱۰۔ الیاس احمد گدی، فائر ایریا، ص:۱۹

۱۱۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول، ص:۲۴۱